حرام کیا ھے ۔ ربا یا سود ؟

ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا

ربا یا سُود - کس کی حُرمت ھے؟

یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ کیا اسلام میں سُود واقعی حرام ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ سود نہیں بلکہ ربا ہے اور سود اور ربا ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ کیا اس دعوے میں کوئی حقیقت ہے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن اور حدیث میں جس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ ربا ہے۔ قرآن میں چار مختلف مقامات پر ربا کی حُرمت آئی ہے۔ سب سے پہلی حُرمت سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۹ میں آئی جو مکہ مکرّمہ میں نازل ہوئی تھی۔ بقیہ تین مقامات سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۶۱، سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۳۰ اور سورۂ بقرہ کی آیات ۲۷۵-۲۸۱ ہیں۔ یہ سب آیتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ ان میں سے سورۂ بقرہ والی آیتیں رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے آخر زمانے میں نازل ہوئی تھیں۔ انہی آیتوں میں سُود کی حُرمت میں سب سے زیادہ شدت آئی ہے اور ربا لینے اور دینے والوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ آیت نمبر ۲۷۹ میں یہاں تک شدت ہے کہ جو لوگ سُود لیتے ہیں ان کے خلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے۔ اتنے سخت الفاظ قرآن نے کسی اور جرم کیلئے استعمال نہیں کئے ہیں۔ ان آیتوں میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ربا اور تجارت ایک نہیں ہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمام ربا جو قرض لینے والوں پر باقی ہے اُسے معاف کر دیں۔

رسول اکرم ﷺ نے بھی صاف صاف الفاظ میں ربا کو حرام قرار دیا ہے اور یہ فرمایا۔ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اُن لوگوں پر لعنت نہیں بھیجی جو ربا لیتے اور دیتے ہیں بلکہ ان لوگوں پر بھی جو ربا کے معاہدے کو لکھتے ہیں اور وہ دو افراد بھی جو گواہ بنتے ہیں (۱)۔ انہوں نے جان بوجھ کر ربا لینے اور

☆ ماابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا ☆ جو چیز ضرورتاً مباح کی گئی ہو اس کی مقدار کا تعین بھی اسی کے مطابق ہوگا ☆

دینے کو چھتیس بار زنا کرنے اور اپنی ماں کی اسی طرح بے حرمتی کرنے سے بھی زیادہ بُرا قرار دیا ہے(۲)۔

قرآن اور سنت میں ربا کی اس قدر سختی سے مذمت کے ہوتے ہوئے اور رب العزت کے اس اعلان کے بعد کہ ہم نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا ہے(سورۃ المائدہ-آیت نمبر۳) یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ اس کے معنی کو اس قدر مبہم رکھا گیا ہو کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی کچھ لوگ اس کے حقیقی معنی سمجھنے سے قاصر ہوں- چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ربا کے حقیقی معنی سمجھے جائیں۔ اس مقصد کے لئے اسلام کے اصل مصادر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے-

ربا کے لفظی معنی ''بڑھنا'' ''زیادہ ہونا'' ''پھیلنا'' یا ''بالیدگی'' اور ''نشو ونما'' کے ہیں(۳)- تاہم ہر اضافے کو اسلام نے منع نہیں کیا ہے۔ تجارت میں جو منافع ہوتا ہے اس سے بھی اصل رقم میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اس کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز کی ممانعت کی گئی ہے؟ اس سوال کا صحیح اور مسکت جواب دینے والی تو خود رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارک ہی ہو سکتی ہے جو قرآن کو سب سے زیادہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ایک حدیث میں انہوں نے قرض کے عوض کسی چھوٹے سے چھوٹے تحفے یا خدمت وصول کرنے کو بھی ربا قرار دیا ہے- ایک اور حدیث میں انہوں نے قرض دینے والے کو اصل رقم کے علاوہ ایک پلیٹ کھانا دینے یا قرض لینے والے کی سواری پر سوار ہونے سے بھی منع فرمایا ہے(۴)۔ رسول اکرم ﷺ کی اس تشریح کے بعد پہلے سے طے شدہ شرح سے مالی معاوضہ وصول کرنے کی گنجائش تو کسی صورت سے پیدا نہیں ہوتی - دوسرے الفاظ میں خود رسول اکرم ﷺ نے ربا کو اس چیز کے برابر قرار دیا ہے جسے عام فہم زبان میں آجکل ''سود'' کہا جاتا ہے۔

ربا کی اسی تعریف کی عکاسی ہمیں اسلامی تاریخ کے تمام علماء کی تحریروں میں ملتی ہے قرآن کریم

کی کوئی بھی تفسیر یا احادیث کی کوئی شرح یا عربی زبان کی کوئی بھی لغت ایسی نہیں ہے جس میں ربا کو مختلف معانی پہنائے گئے ہوں مثال کے طور پر القرطبی (متوفی ۶۷۱ھ/ ۱۰۷ء)، جن کا شمار قرآن کے نامور مفسروں میں ہوتا ہے، نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ ''تمام مسلمان اپنے رسول ﷺ کی اس بات پر متفق ہیں کہ ادھار دی جانے والی رقم میں کسی بھی اضافے کی شرط کو ربا تصور کیا جائیگا خواہ یہ مٹھی بھر چارہ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے، یا اناج کا ایک دانہ'' (۵)- اسی طرح ابن منظور (متوفی ۷۱۱ھ/ ۱۳۱۱ء) نے بھی اپنی تیار کردہ عربی زبان کی مستند لغت (لسان العرب) میں واضح طور پر لکھا ہے کہ جس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ ہر ایسا قرض ہے جس پر اصل سے زیادہ رقم یا کوئی منفعت وصول کی جائے (۶)-

ربا کے اسی معنی کی بناء پر اسلامی تاریخ کے شروع ہی کے دور سے ربا کو اُس اضافی رقم سے تعبیر کیا گیا ہے جو قرضدار کو اصل رقم کے علاوہ ایک معاہدے کے تحت ادا کرنا پڑتی ہے یا قرضے کی میعاد میں توسیع کروانے کے لیے دینی پڑتی ہے (۷)- اسی بناء پر فقہاء کی بہت سی بین الاقوامی کانفرنسوں میں جو ربا کے موضوع پر منعقد ہوئیں متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا کہ موجودہ زمانے میں بنکوں کا ''سُود'' بھی ربا ہی کی تعریف میں آتا ہے۔ ان کانفرنسوں میں وہ کانفرنسیں بھی شامل ہیں جو 1951ء میں پیرس میں اور 1965ء میں قاہرہ میں منعقد ہوئیں یہی حال ان کانفرنسوں کا ہے جو 1985ء میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم (OIC) کے تحت قاہرہ میں اور رابطہ عالم اسلامی کے تحت مکہ مکرمہ میں منعقد ہوئیں (۸)۔ اس بڑے پیمانے پر اجماع امت کے بعد چند انفرادی آراء جو اس اجماع کے خلاف ظاہر کی جائیں، ان کی دینی اعتبار سے کوئی وقعت نہیں۔ ایسی آراء سُود کی حرمت کو ختم نہیں کر سکتیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے بعض لوگوں کے ذہن میں سُود کی حُرمت کے بارے میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے- اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ربا کی اصطلاح شریعت میں

دو مختلف معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ دونوں کے معانی اور مقاصد کو اچھی طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے الجھاؤ پیدا ہو سکتا ہے۔ ان دو اصطلاحوں میں سے پہلی اصطلاح "رِبا النسیئہ" ہے اور دوسری "رِبا الفضل"۔

رِبا النسیئہ :- نسیہ کی اصطلاح کی بنیاد نَسَاءَ ہے جس کے معنی ملتوی کرنے، مؤخر کرنے یا انتظار کرنے کے ہیں اور مراد وہ مہلت ہے جو قرض دینے والا مقروض کو سُود کے عوض قرض ادا کرنے کے لیے دیتا ہے۔ یعنی اگر ایک سال کے بعد قرض ادا کرے گا تو اصل کے علاوہ اس کو اتنی رقم دینی ہوگی اور اگر اس کے بعد مہلت میں توسیع کی ضرورت ہے تو کتنی رقم اور دینی ہو گی۔ اس طرح رِبا النسیئہ اُس سُود کے مساوی ہے جو آج کل قرض پر لیا جاتا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ (وَاَحَلَّ اللہُ البَیعَ و حَرَّمَ الرِّبٰوا) میں ربا کی اصطلاح کا استعمال اسی معنی کے لئے کیا گیا ہے اس لئے اس ربا کو "رِبا القرآن" اور "رِبا الدُّیُون" بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ "ربا جسکی حُرمت قرآن میں آئی ہے" یا "وہ ربا جو قرضوں پر واجب الادا ہے"۔

ربا النسیئہ کی حُرمت کا لازمی مطلب یہ ہے کہ شریعت میں اس بات کی اجازت نہیں کہ کسی قرض کی ادائیگی کے لئے جو مہلت دی جاتی ہے اس کے عوض کے طور پر ایک مثبت شرح کے حساب سے معاوضہ لیا جائے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ادائیگی کی شرح کم ہو یا زیادہ (interest or usury)، پہلے سے متعین کی گئی ہو یا قابل تغیر (variable) ہو، اور نقد کی صورت میں ہو یا تحفے اور خدمت کی، اور قرض لیتے وقت ادا کی جائے یا بعد میں قرض کی ادائیگی کے وقت۔ یہ سب طریقے ربا کی تعریف میں داخل ہوتے ہیں۔ اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قرض ذاتی اخراجات (consumption) کے لئے لیا گیا ہے یا تجارت وصنعت وحرفت (production) کے لیے۔

یہ دلیل بالکل بے بنیاد ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں سُود اس لئے حرام کیا گیا تھا کہ اس وقت غریب لوگ ہی اپنی اشد ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے قرضے لیتے تھے اور اس طرح ان کا استحصال ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ غریب لوگوں کی ضروریات زندگی اسلام کے فلاحی نظام میں قرضہ لئے بغیر ہی پوری ہو جاتی تھیں۔ امیر لوگ ان کی مدد کرتے تھے اور اگر کسی کی اس طرح مدد نہ ہو سکے تو بیت المال موجود تھا۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس مثالی معاشرے میں امیر لوگ غریبوں کی فی سبیل اللہ مدد کرنے کے بجائے انہیں قرض دینگے اور وہ بھی سُود پر۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اُس زمانے میں قرضے تجارت ہی کے لیے جاتے تھے۔ جب قافلے دور دراز کے علاقوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے تو ان کو کافی سرمایہ کی ضرورت ہوتی تھی تا کہ وہ برآمد کے لائق تمام چیزیں خرید کر لے جائیں اور انہیں بیچ کر جو پیسہ وصول ہو اس سے معاشرہ کی تمام ضروری اشیاء درآمد کر سکیں۔ ایسی تجارت میں کافی وقت لگتا تھا اور سرمایہ ایک لمبی مدت کے لیے منجمد ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ موسموں کی سختی، راستے کی دشواری اور ڈاکہ زنی کی وجہ سے خطرات بھی بہت تھے۔ یہ بات اسلام کے عدل وانصاف کے تقاضوں کے بالکل خلاف تھی کہ جو تاجر اتنی محنت کرے اور بے شمار خطرات بھی مول لے وہ تو تجارت میں خسارے کا پورا بوجھ اٹھائے اور سرمایہ دار جس نے سرمایہ فراہم کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا، اس کو تجارت میں نقصان ہونے کے باوجود صرف نفع ہی نفع ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سرمایہ دار کے لیے ضروری ٹھہرایا کہ وہ سُود لینے کے بجائے نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہو۔ اگر وہ نقصان میں شریک نہیں ہونا چاہتا تو پھر وہ نفع میں بھی شریک نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ بیسویں صدی کے ایک ممتاز عالم دین 'شیخ ابوزہرہ' نے لکھا ہے کہ اس بات کے لیے ہمیں تاریخ سے کوئی شہادت نہیں ملتی کہ "رِبا الجاهلیہ" (اسلام سے پہلے کا ربا) ذاتی اخراجات کے لیے لیے گئے قرضوں پر تھا اور تجارتی اور پیداواری قرضوں کے لیے نہیں تھا۔ حقیقت میں جن

قرضوں کا ثبوت ایک محقق کو تاریخ کے صفحات میں ملتا ہے وہ پیداواری قرضوں ہی کا ہے- اُس زمانے میں عربوں کے حالات' مکہ کا مقام' اور قریش کی تجارت' یہ سب اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ قرضے پیداواری اغراض کے لیے ہی لیے جاتے تھے(۹)- پروفیسر ابراہام یوڈووچ (Abraham Udovitch) جو پرنسٹن یونی ورسٹی (Princeton University) کے ڈپارٹمنٹ آف مڈل ایسٹرن اسٹڈیز کے چیئر مین تھے' انہوں نے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ''مشرق وسطیٰ کے بارے میں ایسی کوئی دلیل قابل قبول نہیں جو یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ اُس زمانے میں قرضے صرف ذاتی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے لیے جاتے تھے اور پیداوار کے لیے نہیں (۱۰)-

اسی وجہ سے مسلمانوں کے تمام مذاہب فکر کے علماء میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ رِبا النسیہ سُود ہی کے مترادف ہے اور حرام ہے اور یہ کہ یہ حُرمت سخت' قطعی اور غیر مبہم ہے (۱۱)- شریعت کی رُو سے یہ ضروری ہے کہ سرمایہ دار نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہو اور یہ کہ اس نفع یا نقصان کی تقسیم شریعت کے عادلانہ اصولوں کی بنیاد پر ہو-

رِبا الفضل:- یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرضوں پر سُود ''رِبا النّسیۃ'' ہے تو پھر ''رِبا الفضل'' کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں اسلام نے سُود کو حرام اور تجارت کو جائز قرار دیا ہے وہاں اس نے تجارت میں ہر چیز کی اجازت نہیں دی ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام صرف اس ناانصافی اور ظلم کو ختم نہیں کرنا چاہتا جو سُودی نظام میں ہوتی ہے بلکہ وہ تجارت سے بھی نفع کمانے کے تمام ناجائز اور غیر عادلانہ طریقے ختم کرنا چاہتا ہے- تجارتی سودوں میں جو ''فاضل'' رقم تاجر یا خریدار دھوکے اور بے ایمانی کے ذریعہ اپنے مدمقابل سے حاصل کرتا ہے اسے ''رِبا الفضل'' کہتے ہیں- عربی زبان میں چونکہ رِبا کے لغوی معنیٰ ''زیادہ'' کے ہوتے ہیں' اس آیت میں رِبا سے مراد ہر وہ ''زیادتی ہے جس کے مقابل میں کوئی عِوض نہیں'' (۱۲)-

☆اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام☆جب حلال و حرام جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہو گا☆

ربا الفضل کی تحریم کا مقصد تجارت میں عدل و انصاف کو ہر اعتبار سے یقینی بنانا ہے۔ اسلام ہر قسم کے استحصال کو ختم کرنے کا متمنی ہے اور ربا کے بھی تمام چور دروازوں کو بند کرنا چاہتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اسلامی فقہ کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہر وہ چیز بھی حرام ہے جو حرام تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ چونکہ کئی مختلف طریقوں سے لوگوں کا استحصال ہوسکتا ہے اور ان کو دھوکا دیا جاسکتا ہے اس لیے رسول اکرم ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ ایک مسلمان ستر (بہت سارے) طریقوں سے ربا میں ملوث ہوسکتا ہے (۱۳)۔ اور اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس چیز کے جواز کے بارے میں تمھارے ذہن میں شبہ پیدا ہوتا ہے اسے چھوڑ دو اور وہ کام کرو جو شبے سے بالاتر ہو'' (۱۴)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی وجہ سے فرمایا کہ ''سب سے آخر میں ربا والی آیت نازل ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ رسول اکرم ﷺ ربا کی پوری طرح تشریح فرماتے آپ ﷺ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔'' اس لیے تم صرف ربا سے ہی نہیں بلکہ ''ریبہ'' سے بھی بچو (۱۵)۔ ریبہ کا ماخذ ''رَیب'' ہے جس کے لفظی معنی ''شک و شبہ'' کے ہوتے ہیں اور مقصود وہ آمدنی ہے جو ربا سے مشابہ ہو اور جس سے ذہن میں اس کے جائز ہونے کے بارے میں شبہ پیدا ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ربا النسیئہ کے معنی تو لوگوں کے ذہن میں واضح تھے اور اس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا البتہ ربا الفضل کے مندرجات کا پوری طرح احاطہ نہیں کیا گیا تھا اس لیے انہوں نے فرمایا کہ ہر اس چیز سے بچو جس کے ذریعہ ظلم و ناانصافی کے قریب ہونے کا بھی تم کو گمان ہو۔

ربا الفضل کی چار مثالیں:-

پہلی مثال:- رسول اکرم ﷺ نے مثال کے طور پر چار مختلف طریقے واضح فرما دیئے جن کے ذریعہ انسان ربا الفضل کا مرتکب ہوسکتا ہے ان میں سے پہلا وہ استحصال ہے جو

تجارت میں ناجائز ذرائع کے استعمال سے کیا جاسکتا ہے باوجود اس کے کہ تجارت بذات خود جائز ہے-مثال کے طور پر انہوں نے "غَبْن المُسْتَرسِل" کو بھی ربا سے تعبیر فرمایا(۱۶)۔غَبْن کے معنی "دھوکے" کے ہوتے ہیں اور "مُسْتَرسِل" اس سیدھے سادے شخص کو کہتے ہیں جسے بازار کے حالات اور نرخوں کا کوئی علم نہیں۔ایسے سیدھے سادے شخص سے بازار کے دام سے کم دام پر اس کی چیز خرید لینا یا اسے بازار کے دام سے زیادہ دام پر چیز بیچنا جائز نہیں۔ان دونوں صورتوں میں بازار کے دام کے مقابلے میں جو فرق ہے وہ بھی ربا کے زمرے میں آتا ہے-اسی طرح انہوں نے "نَاجِش" کو بھی "لعنت زدہ" ربا کھانے والا قرار دیا ہے(۱۷)۔نَاجِش اس شخص کو کہتے ہیں جو نیلام کے وقت اپنا ایک ایجنٹ کھڑا کر دیتا ہے تاکہ وہ بولی کو بڑھاتا رہے جس کی وجہ سے خریدار دھوکا کھا کر حقیقی دام سے زیادہ قیمت ادا کر دیتا ہے اور اس کا استحصال ہو جاتا ہے۔ان احادیث سے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ جو شخص بھی دھوکے کے ذریعے بازار کے دام سے کم دام ادا کرتا ہے یا زیادہ لیتا ہے تو وہ ربا الفضل میں ملوث ہوتا ہے۔یہ بات ملحوظ رہے کہ یہاں قرض لینے اور دینے کی نہیں بلکہ خرید و فروخت کی بات ہو رہی ہے یعنی ربا الفضل کا تعلق ربا النسیہ کی طرح قرض کے لین دین سے نہیں بلکہ خرید و فروخت سے ہے۔

دوسری مثال:-ربا الفضل میں ملوث ہونے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی شخص کی سفارش کرنے کا سفارش کرنے والا معاوضہ وصول کرے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے لئے سفارش کی اور اس سے کوئی تحفہ قبول کیا تو وہ ربا کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے میں داخل ہو گیا(۱۸)۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص نیکی اور بھلائی کا کام رضائے الٰہی کے حصول کے لئے نہیں بلکہ دنیا کمانے کی در پردہ نیت سے کرے۔اس قسم کی سفارش سے اس کا امکان ہے کہ ایک ایسے شخص کو فائدہ پہنچے جو کم مستحق ہے اور ایک ایسے شخص کو نقصان ہو جو زیادہ مستحق ہے۔

تیسری مثال :- ربا الفضل میں ملوث ہونے کا تیسرا طریقہ مال (یعنی اشیاء) کے بدلے مال کی تجارت (barter) کرنے کا ہے- ایسے سودوں میں بیچی گئی یا خریدی گئی چیز کی قیمت کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے- چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے کسی ایسی معیشت میں جہاں روپے پیسے کا چلن ہو وہاں مال کے بدلے مال کی تجارت (barter) کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے اور اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ بیچی جانے والی چیز کو نقد رقم کے عوض فروخت کیا جائے اور اس رقم سے ضرورت کی چیز خریدی جائے (۱۹)۔

چوتھی مثال :- ربا الفضل میں ملوث ہونے کا چوتھا طریقہ وہ ہے جس پر فقہاء نے زیادہ توجہ دی ہے اور جس کی وجہ سے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ گویا یہی ربا الفضل ہے- کئی مستند احادیث میں تاکید کی گئی ہے کہ اگر ایک ہی جنس کی اشیاء کا تبادلہ کیا جائے' مثلاً سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے یا روپے کا روپے سے' تو پھر یہ ضروری ہے کہ دو شرطیں پوری کی جائیں- ایک یہ کہ یہ دونوں اشیاء مقدار یا وزن کے اعتبار سے برابر ہوں (''مِثلاً بمِثلٍ'' ''سَوَاءً بِسَوَاءٍ) اور دوسری یہ کہ تبادلہ ہاتھوں ہاتھ ہو یا دوسرے الفاظ میں فوراً بلا تاخیر ہو (''یداً بِیَدٍ'' اور ''وَلَا تَبِیعُو مِنهَا غَائِباً بِنَاجِز'') (۲۰)۔ لیکن اگر دونوں چیزیں اپنی جنس کے اعتبار سے مختلف ہوں (مثلاً روپے کا تبادلہ ڈالر سے ہو) تو پھر ان کے وزن یا مقدار کے مختلف ہونے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان اشیاء کا تبادلہ ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی فوراً بلا تاخیر کے۔ ان دونوں شرطوں کا مقصد سُود کے چور دروازے کو بند کرنا ہے جسے فقہاء نے ''سَدًّا الذریعۃ'' کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے- اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر کوئی شخص روپے کے بدلے روپے بیچتا ہے تو سو روپے کے بدلے سو ہی روپے لے سکتا ہے اور تبادلہ فوراً ہونا چاہیئے۔ اگر تاخیر ہو تو بھی سو روپے کے بدلے سو ہی روپے لے سکتا ہے۔ ان احادیث کا ایک اور مطلب جو فقہاء نے سمجھا ہے وہ یہ کہ غیر ملکی سکوں میں مستقبل کے سودے (forward transactions) کرنے کی ممانعت ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ روپے کے عوض ڈالر خریدتے ہیں تو سودا فوری (spot) ہونا چاہیئے'

☆جب حقوق باہم متعارض ہوں تو ان میں جس کا وقت تنگ ہوا سے ترجیح حاصل ہوگی☆

مستقبل(future) کا نہیں ہوسکتا۔یعنی آپ یہ نہیں کر سکتے کہ روپے ابھی دیں اور اس وقت طے کی گئی شرح سے ڈالر مستقبل میں لیں۔یہ اس لئے کہ شرح کے بدل جانے سے دونوں میں سے کسی ایک پارٹی کے ساتھ ناانصافی ہوسکتی ہے۔البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں ڈالر لیتے وقت جو شرح ہو اسکے حساب سے ڈالر لیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ھیجنگ(hedging) بھی منع ہے جو غیر ملکی سکّوں کی شرح میں اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ہونے والے نقصان سے بچنے کیلئے کی جاتی ہے۔اس سوال کی طرف فقہاء کی توجہ کی ضرورت ہے۔ھیجنگ(hedging) کی اجازت نہ ہونے کے باعث درآمد اور برآمد کرنے والوں کو کافی نقصان ہوسکتا ہے۔یعنی اگر کوئی تاجر جاپان سے کپڑا درآمد کرنا چاہتا ہے تو کپڑے کی قیمت ین (yen) یا ڈالر میں ابھی سے طے ہو جائے گی لیکن روپے میں رقم ۳ مہینے کے بعد کپڑا وصول کرتے وقت ادا کرنی ہوگی۔اگر ین یا ڈالر کی قیمت بڑھ گئی تو روپے زیادہ دینے ہوں گے اور اس طرح تاجر کو بہت نقصان ہو جائے گا۔اس کے پاس اس وقت اتنی رقم نہیں کہ وہ ابھی سے ین(yen) یا ڈالر خرید لے۔اسلئے وہ مستقبل کا سودا کرنا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ فقہا کا فتویٰ ابھی تک نفی میں ہے۔بدلتے ہوئے حالات کے تحت ضروری ہے کہ یا تو فقہاء مشکلات کے حل کے لئے کوئی شرعی حل بتائیں یا پھر اپنے فیصلوں پر شریعت کی روشنی میں نظر ثانی کریں۔

ربا النسیۃ اور ربا الفضل دونوں سورہ بقرہ کی اس آیت کا مثنیٰ ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام (اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا)۔ربا النسیۃ کا تعلق قرضوں اور سُود سے ہے جس کی حُرمت اس آیت کے دوسرے حصے میں آئی ہے (وَحَرَّمَ الرِّبٰوا)۔ربا الفضل کا تعلق تجارت سے ہے جو اس آیت کے پہلے حصے میں ہے۔تجارت کے حلال ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس میں ہر چیز حلال ہے۔جیسا ظلم سُود کے ذریعہ

ہوتا ہے ویسا ہی ظلم اشیاء کی خرید وفروخت اور مختلف ممالک کے سکوں کے تبادلے سے بھی ہو سکتا ہے۔ ربا الفضل اسی قسم کے سارے ظلم کو ختم کرنے کیلئے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے زمرے میں ہر وہ استحصال آتا ہے جو اشیاء کی قیمتوں، ناپ تول اور معیار میں بے ایمانی اور سکوں کی شرح میں اتار چڑھاؤ یا بے یقینی (غَرر) کے ذریعہ لاحق ہوتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ فروخت کرنے والے اور خریدنے والے دونوں کو اُن اشیاء کے معیار، قیمت، اور سپردگی کے وقت اور تاریخ کے بارے میں صحیح معلومات ہوں جن کا وہ تبادلہ کرنے والے ہیں تا کہ تاجر اور خریدار دونوں کو استحصال سے بچایا جا سکے (۲۱)۔

جہاں ربا النسیئہ کی تعریف چند الفاظ میں کی جا سکتی ہے وہاں ربا الفضل کی تشریح آسان نہیں کیونکہ یہ مختلف قسم کے بے شمار تجارتی سودوں کا احاطہ کرتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''رسول اکرم ﷺ ربا والی آیت کی مکمل تشریح کئے بغیر اس دنیا سے رحلت فرما گئے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی بنیاد پر سُود کے لیے جواز پیدا کرنے کی کوشش کرنا قطعی بے بنیاد ہے کیونکہ ان کے اس قول کا تعلق ربا النسیئہ سے تھا ہی نہیں بلکہ ربا الفضل سے تھا۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ ربا الفضل کی مکمل تشریح نہیں ہوئی ہے اس لیے تم سُود بھی مزے سے کھا سکتے ہو بلکہ یہ فرمایا کہ ایک مسلمان کو یہ چیز زیادہ زیب دیتی ہے کہ وہ صرف ربا سے ہی نہ بچے بلکہ ریبہ سے بھی بچے۔ یعنی ہر اس ذریعہ آمدنی سے بچے جس کے بارے میں اسے یقین نہیں کہ وہ ربا سے پاک ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ربا الفضل میں ملوث ہونے کے تمام طریقے کیوں نہیں بتا دیئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں تھا اور نہ ہی ممکن۔ تجارت اور سکوں کے تبادلے میں ظلم اور استحصال کے طریقے مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس قدر بدلتے رہے ہیں کہ ان کا ۱۴۰۰ سال پہلے پوری طرح احاطہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ قرآن اور سنت نے وہ تمام اصول

بتا دیئے ہیں جن کے ذریعے سے امت مسلمہ ہر زمانے میں اپنے حالات کی مناسبت سے اپنے لیے ایک تفصیلی لائحہ عمل طے کر سکتی ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک دائمی چیلنج ہے کہ وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں تجارت کرنے اور دولت کمانے کے مختلف طریقوں کا جائزہ لیتے رہیں تا کہ وہ ظلم و ناانصافی اور استحصال کے تمام راستے اور چور دروازے بند کر سکیں۔ اس طرح ربا الفضل کا خاتمہ کرنا ربا النسیئہ کے ختم کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ اس کے لیے پختہ ارادے کے ساتھ پوری معیشت کی از سر نو تنظیم اور مکمل اصلاح کی ضرورت ہے تا کہ ظلم و استحصال کا مکمل خاتمہ کیا جا سکے اور عدل و انصاف کو یقینی بنایا جا سکے، جو قرآن کی رو سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت کا مقصد عظیم ہے (سورہ حدید، آیت نمبر ۲۵)۔

حرف آخر:- سُود کھانا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے، اس شدت کے ساتھ سُود کے خلاف اعلان جنگ کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا اقتصادی نظام چاہتا ہے جس میں ہر قسم کے ظلم اور استحصال کا خاتمہ ہو، خاص طور پر ایسی ناانصافی کا جس کے ذریعہ سرمایہ لگانے والے کو کوئی کام کیے بغیر یا نقصان میں حصہ لئے بغیر پہلے سے طے کی ہوئی ایک مُثبت شرح کی مناسبت سے نفع کی ضمانت دی گئی ہو جب کہ اس کے برعکس تاجر کو اس کی انتظامی کارکردگی اور سخت محنت کے باوجود کسی مثبت فائدے کی ضمانت نہیں دی گئی۔ اسے جہاں نفع ہو سکتا ہے وہاں نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ دار اور تاجر کے درمیان انصاف کے ساتھ معاملہ ہو۔ رہا سوال تاجر کے سرمایہ دار کو دھوکہ دینے کا تو اس کے سدباب کیلئے ہر زمانہ میں مختلف تدبیریں اختیار کی گئی ہیں اور اب بھی کی جا سکتی ہیں۔ یہ دلیل بالکل بے بنیاد ہے کہ جب معاشرہ مکمل طور پر ٹھیک ہو جائے گا تب ہم اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ دنیا میں ہمیشہ جہاں ایماندار لوگ رہے ہیں وہاں دھوکہ باز لوگ بھی رہے ہیں اور عوام اور حکومتوں نے مل کر بے ایمانی کو ختم کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔

حد یعمل فی الارض خیر لاھل الارض من ان یمطروا اربعین صباحا ☆ الحدیث

اسلام میں عدل و انصاف اور بھائی چارہ پر جو زور ہے- اسے اگر سامنے رکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں سُود کی حُرمت کیوں ہے- سُود کا جواز صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب ہم اسلام کے مقاصد اور اس کی تعلیمات' خاص طور سے اس میں عدل و انصاف پر زور اور آمدنی اور دولت کی عادلانہ تقسیم کے مقصد' کو نظر انداز کر دیں- اگر ہم سُود کی حُرمت کو ایک ایسی جزئی قدر سمجھیں جس کا اسلام کے مجموعی مقاصد اور تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں تب ہی ہم اس کی حُرمت اور اس حُرمت کے مضمرات کو سمجھنے سے قاصر رہ سکتے ہیں۔

حواشی

(۱): عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا و موكِلَه' و كاتِبِهِ وَ شاهِدَيه" وقال: "هم سواء" (رواه مسلم و الترمذی و احمد)-

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے سود کھانے والے' سود کھلانے والے' سودی معاہدہ کو لکھنے والے اور اس معاہدے کے دونوں گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور اس لعنت میں یہ سب برابر برابر شریک ہیں-

(۲): عن عبد اللہ بن حنظلہ' غسیل الملائکۃ' قال: قال رسول اللہ ﷺ: درھم رِبا یا کلہ الرجل و ھو یعلم' اشد من ستة و ثلاثین زنیة (رواه احمد و دارقطنی) وعن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الرِبا سَبعُون جُزءاً' ایسَرُھا ان ینکح الرجل امه (رواه ابن ماجه' والبیھقی فی شعب الایمان)-

حضرت عبداللہ بن حنظلہ جن کی شہادت کے بعد فرشتوں نے انہیں غسل دیا' روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک درھم ربا بھی جانتے بوجھتے لینا ۳۶ بار زنا کرنے سے بھی زیادہ سنگین ہے- حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سود کے ۷۰ حصے ہیں اور ان میں سے سب سے کم سنگین ایک شخص کا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنا ہے-

کسی سر زمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

(۳): لفظِ رِبا کے معنی کے لئے عربی زبان کی مشہور و معروف لغات سے رجوع فرمائیں، مثلاً ابن منظور کی "لسان العرب" "الزبیدی کی" "تاج العروس" اور راغب الاصفہانی کی "المفردات فی غریب القرآن"۔ یہی معنی ہمیں قرآن کی تمام تفاسیر میں بھی ملتے ہیں۔

(۴): عن آنس بن مالك ؓ قال: قال رسول الله ﷺ "اذا اقرض احدكم قرضاً، فاهدی الیه طَبَقاً، فلا یقبلها او حمله علی دابة فلا یرکبها، إلا ان یکون جری بینه و بینه قبل ذلك (سنن البیهقی)

حضرت انس ابن مالک ؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے اور قرض لینے والا قرض کی رقم کے علاوہ اسے ایک پلیٹ کھانا ہی دے تو وہ اسے قبول نہ کرے اور اپنی سواری پر سواری کی پیشکش کرے تو یہ بھی قبول نہ کرے اِلا یہ کہ اس قسم کا لین دین ان دونوں کے درمیان قرض کے بغیر بھی عام ہو۔

وعنه ایضاً عن النبی ﷺ قال: اذا اقرض الرجل فلا یاء خذ هدیة (رواه البخاری فی تاریخه)

حضرت انس بن مالک ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو قرض دے تو اس سے کوئی ھدیہ قبول نہ کرے۔

(۵): "اجمع المسلمون، نقلاً عن نبیهم، ان اشتراط الزیادة فی السلف رِبا، ولو کان قبضة من علف، کما قال ابن

تفسیر قرطبی کی رُو سے مسلمانوں کا انکے نبی ﷺ کی روایات کی بنیاد پر اجماع ہے کہ قرض کے لئے یہ شرط کہ

مسعودؓ' اوحبة واحدة' (تفسیر القرطبی' طبعة ثالثة' ۱۹۶۷م' دارالکتاب العربی' القاهره' ج ۳' ص ۲۴۱)

اس سے زیادہ رقم ادا کی جائیگی ربا ہے خواہ وہ زیادتی مٹھی بھر چارہ ہی کیوں نہ ہو' جیسا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے' یا اناج کا ایک دانہ۔

(۶): "الحرام کل قرض یُؤخَذُ به اکثرمنه' اوتجربه منفعة" (دیکھئے لفظ ''ربا'' ابن منظور کی لسان العرب میں۔ اس کے علاوہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ کی تفسیر کے لئے فخر الدین رازی کی تفسیر الکبیر اور ابوبکر الجصاص کی احکام القرآن اور ابن عربی کی احکام القرآن سے بھی رجوع فرمائیں)

ابن منظور کی لسان العرب کی رُو سے ہر وہ قرض حرام ہے جس میں قرض کی رقم سے زیادہ رقم یا کوئی خدمت حاصل کی جائے۔

(۷): دیکھئے الجزیری' ج ۲ ص ۲۴۵

(۸): دیکھئے السنهوری' ۱۹۵۳' ج ۳' ص ۲۴۱-۲۴۶' اور القرضاوی' ۱۹۹۴' ص ۱۲۹-۱۴۲- اسکے علاوہ دیکھئے عبدالحمید الغزالی کی کتاب ان سب فتووں کیلئے جو ۱۹۰۰ء سے ۱۹۸۹ء تک سُود کی حُرمت کے بارے میں دیئے گئے ہیں۔

(۹): ابوزهره' ۱۹۷۰' ص ۵۳-۵۴

(۱۰): یُوڈووِچ (Yudovitch)' ۱۹۷۰' ص ۸۶

(۱۱): الجزیری' ج ۲' ص ۲۴۵

(۱۲): "الربا فی اللغة هو الزیادة و المراد به فی الایة کل زیادة لم یقابلها عوض". ابن العربی' احکام القرآن' ۱۹۶۷' ص ۲۴۲

ربا کے لغوی معنیٰ زیادہ ہیں اور اس سے مراد ہر وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی عِوَض نہیں۔

(۱۳) "الرِّباسبعون جزءً ا' ایسَرُها ان ینکح الرجل امه" (رواه ابن ماجه' و البیهقی فی شعب الایمان

ربا کے ۷۰ حصے ہیں اور ان میں سے سب سے کم سنگین ایک شخص کا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنا ہے۔

(۱۴) "دَع ما یریبك الی ما لا یریبك" تفسیر ابن کثیر میں دیکھئے سورہ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۷۵ کی تفسیر۔

جس چیز کے بارے میں بھی تمہیں شک ہو اس پر اس چیز کو ترجیح دو جس کے بارے میں تمہیں کوئی شک نہیں۔

(۱۵) "ان آخر ما نزلت آیة الرِبا' وان رسول الله ﷺ قبض ولم یفسرها لنا' فدعوا الرِبا و الریبه" (رواه ابن ماجه والدارمی)

سب سے آخر میں رِبا والی آیت نازل ہوئی اور اس کی مکمل تفسیر کرنے سے پہلے رسول اکرم ﷺ رحلت فرما گئے۔ پس تم رِبا بھی چھوڑ دو اور ریبہ بھی' (یعنی ہر وہ چیز جس کے حلال ہونے کے بارے میں تمہیں شک ہو)

(۱۶) عن أنَس عن جابرؓ عن النبی ﷺ انه قال: "غبن المسترسل رِباً". کنزالعمال' ج ۴' ص ۴۲' رقم ۳۹۵' رواه البیهقی و السیوطی فی الجامع الصغیر تحت کلمة غبن.

مسترسل کو دھوکہ دینا بھی رِبا ہے۔

(۱۷) عن عبد الله بن ابی اوفی عن النبی ﷺ انه قال: "الناجِشُ آکل رِبا ملعون". ابن حجر العسقلانی' فتح الباری' کتاب البیوع' باب النجش' والسیوطی' الجامع الصغیر' تحت کلمة نجش۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ناجش لعنت زدہ رِبا کھانے والا ہے۔

(۱۸): عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ انه قال: "من شفع لا خیه شفاعة، فاهدی له هدیة فقبلها، فقد اتی باباعظیما من ابواب الرِبا" (رواه احمد و ابو داؤد دیکھئے بلوغ المرام، کتاب البیوع، باب الرِبا)

حضرت اُمامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کے حق میں سفارش کرنے کے بدلے ھدیہ قبول کرتا ہے تو وہ رِبا کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑے دروازے میں داخل ہوگیا۔

(۱۹): عنِ ابی سعید و ابی هریره رضی الله تعالیٰ عنهما ان رسول الله ﷺ استعمل رجلا علی خیبر، فجائه بتمر جنیب، فقال: "اکل تمر خیبر هکذا؟" قال: لا، والله یا رسول الله! انا لنأ خذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلاث، فقال: "لاتعمل! بِع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنیبا، وقال؛ "وفی المیزان مثل ذلك" البخاری، کتاب البیوع، باب اذا ارادبیع تمر بتمر خیر منه، مسلم والنسائی۔

حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے خیبر میں ایک شخص کو کھجوریں لانے کے لئے بھیجا تو وہ جنیب قسم کی کھجوریں لے آیا۔ اس پر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک صاع کھجور کے عوض دو صاع اور دو صاع کھجوروں کے عوض تین صاع لیتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو۔ تمام کھجوروں کو درھموں کے عوض بیچو اور ان درھموں سے جنیب کھجوریں خریدو۔

عمدہ لکھائی ———— بہترین چھپائی
مسودہ دیجئے ———— کتاب لیجیے
جمیل برادرز
ناظم آباد نمبر۲، فون: 6608017

(۲۰): اس موضوع کی کئی احادیث ہیں جن کا یہاں نقل کرنا ممکن نہیں - ان احادیث کے لئے دیکھئے مصنف کی کتاب ''نحو نظام نقدی عادل'' (TOWARDS A JUST MONETARY SYSTEM - ۱۹۸۵ء) ص ۲۳۸-۲۴۰، ان احادیث میں جن اشیاء کا ذکر آیا ہے وہ ہیں: سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گیہوں کے بدلے گیہوں، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک)

(۲۱): شریعت نے کئی قسم کے سودوں سے منع کیا ہے تا کہ تاجر اور خریدار دونوں میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہو- مثال کے طور پر ان میں سے چند سودے یہ ہیں: نجش، غبن المسترسل، بیع الحاضر لالبادی، تلقی الرکبان، غرر، محاقلہ، منابذہ، ملامسہ، اور مزابنہ - دیکھئے الجزیری، ج ۲، ص ۲۷۳-۲۷۸ اور ۲۸۳-۲۹۱

خواتین کے مسائل

خواتین کے فقہی مسائل پر ایک مفید کتاب

مؤلف: شازیہ قادریہ

ناشر: تبلیغ عزیزیہ سنٹر منظر کالونی کراچی

اساتذۂ فقہِ اسلامی کے لئے خوشخبری

دینی مدارس میں فقہی مضامین کی تدریس فرمانے والے ایک سو معزز اساتذہ کرام کو مجلّہ فقہ اسلامی چھ ماہ کے لئے اعزازی (مفت) جاری کرنے کی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ اساتذہ کرام مجلّہ میں شائع ہونے والے استفسار یہ / فارم کے مطابق کوائف ارسال فرما کر مجلّہ اپنے نام (مفت) جاری کرا سکتے ہیں۔ مجلّہ کا اجراء پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر ہوگا۔............ (مجلسِ ادارت)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆